OPEN ACCESS
RUSHD
(Bi-Annual Research Journal of Islamic Studies)
Published by: *Lahore Insititute for Social Scicnces, Lahore.*

ISSN (Print): 2411-9482
ISSN (Online): 2414-3138
Jan-June-2022
Vol: 3, Issue: 1
Email: journalrushd@gmail.com
OJS: https://rushdjournal.com/index

مولانا عبدالرحمن عزیز[1]

طلبہ کو سزا دینے کے اصول وضوابط

Guidelines and Policies for Disciplining Students

Abstract

The rules and regulations for punishing students play an important role in maintaining a positive and safe learning environment in schools and Madrassas. These guidelines serve to enforce academic and behavioral standards, as well as protect the rights and well-being of students. The most important principles of student discipline include fairness, evidence-based decision making, proportionality, transparency, due process, and the right to appeal. In order to ensure fairness, educational institutions must make sure that all students are treated equally and without bias, regardless of race, gender, ethnicity, or other factors. Evidence-based decision making requires that punishments be based on clear evidence of wrongdoing, rather than assumptions or personal opinions. Proportionality dictates that the punishment should be commensurate with the severity of the offense committed. Transparency is crucial for building trust between students and educators, and requires that the process for determining punishments be clear and open. This

1 فاضل جامعہ سلفیہ فیصل آباد، رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

article addresses the issue of discipline and consequences in religious madaris.

Keywords: Student, Madaris, Punishment, Upbringing

انسان کی نشو و نما، نسل نو کی تعمیر اور معاشرے کی تشکیل میں سب سے اہم کردار استاذ کا ہوتا ہے۔ معلم کی یہ عظمت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ کو استاذ بنا کر بھیجا گیا۔ والدین بچے کو جنم دیتے ہیں، کامیاب استاذ اسے انسانیت کی معراج پر پہنچا دیتا ہے۔ ہر مذہب اور ہر سلجھے معاشرے میں استاذ کو بلند ترین مقام دیا جاتا ہے۔ مگر کچھ وقت سے یہ عظیم پیشہ محض پیسہ کمانے کا ایک ذریعہ بن چکا ہے، نالائق اور نااہل لوگ اسے جوائن کرنے لگے ہیں، اس لیے قوم کی تربیت ہو رہی ہے، نہ قوم انھیں عزت واحترام دے رہی ہے۔

پچھلے چند دنوں میں سوشل میڈیا پر بہت ساری ویڈیوز اپ لوڈ کی گئی ہیں، جن میں دینی مدارس اور سرکاری سکولز کے اساتذہ اپنے یہاں پڑھنے والے ننھے منے بچوں اور چمن علم کی معصوم کلیوں کو بے تحاشا تھپڑوں، مکوں اور ڈنڈوں سے مار رہے ہیں۔ اسی طرح آئے روز پرنٹ میڈیا میں اس طرح کی خبریں آتی رہتی ہیں۔

سکول پرنسپل نے میٹرک کے طالب علم پر تشدد کر کے اس کی ناک کی ہڈی توڑ دی۔ زیادہ خون بہہ جانے سے طالب علم کی حالت تشویشناک بتائی جاتی ہے۔

چند دن پیشتر ایک معذور باپ اپنے چھوٹے سے بچے کو لے کر احتجاج کرنے کے لیے پریس کلب آیا، کہ قاری صاحب کی مار کے سبب بچے کا نیچے والا حصہ مفلوج ہو گیا ہے۔

ایک باپ اپنے تین یا چار سال کے بچے کو پریس کلب لے کر آیا۔ استاذ کی مار کے سبب اس کی پیٹھ سرخ اور نیلی ہوئی تھی۔

ایک ویڈیو میں خود میں نے دیکھا کہ استاذ تقریبا چار سال کے بچے کو ایک لفظ کی درست ادائی کے لیے گردن سے پکڑ کر بار بار زمین پر پٹختا ہے، اور تھپڑوں اور گھونسوں کی بارش کرتا ہے، اس نے معصوم بچے کو تقریبا اکیس تھپڑ اور کھونسے مارے۔

ایک ویڈیو میں مغربی ممالک کے اسکولز کی ٹیچرز اور ہمارے یہاں کے مدارس کے اساتذہ کے رویے کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔ سکول کے ننھے منے بچے جب صبح سکول میں داخل ہوتے ہیں، تو راستے میں ایک ٹیچر کھڑی ہر بچے

کو سینے لگاتی، خود سے چمٹاتی اور مصافحہ کرتی ہے۔ دوسری ویڈیو میں قرآن پڑھنے والے طلبہ مدرسے میں داخل ہورہے ہیں، اور ڈنڈا بردار قاری صاحب راستے میں کھڑے، ہر طالب علم کو جاتے ہوئے ایک ایک ڈنڈا رپوری قوت سے رسید کرتے جارہے ہیں۔

ایک ویڈیو میں ایک سکول ٹیچر چار بچوں کو جن کی عمریں تقریبا تین چار سال کے قریب ہوگی، مرغا بنایا ہوا ہے ،اور پوری قوت سے ان کی پیٹھ کر تھپڑ رسید کرتا ہے، اور گالیاں بھی نکال رہا ہے۔ یہ جسمانی اور ذہنی تشدد کسی جرم کی سزا کے طور پر یا جرم کی روک تھام کے لیے یا کسی اخلاقی برائی یا فرض میں غفلت برتنے پر نہیں، صرف سبق یاد نہ کرنے پر یا کسی لفظ کی درست ادائی نہ کرسکنے پر تھا۔

انھیں دیکھ کر شرمندگی بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا، بطور خاص دینی اداروں میں دین پڑھانے والے بچوں کے ساتھ یہ غیر اسلامی رویہ کیوں اپنایا جاتا ہے۔ بعض مدارس کو تو جیل سے تشبیہ دی جاسکتی ہے، جیل سے بھی بدتر۔ جیل میں مجرم ہوتے ہیں، جبکہ تعلیمی اداروں میں معصوم بچے تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔ جیل میں جج کے فیصلے کے بعد اور اس کے مطابق سزا دی جاتی ہے، جبکہ ہمارے تعلیمی اداروں میں سزا دینے پر کوئی پابندی ہے، نہ کوئی میکن ازم۔ ایسے ہی ایک مدرسہ سے میں نے تعلیم کا آغاز کیا تھا، تقریبا چار کنال پر مشتمل تھا۔ مسجد، کلاسز، رہائشی کمرے، کچن اور باتھ رومز وغیرہ تھے۔ درمیان میں صرف دس مرلے کا صحن۔ طلبہ دو اڑھائی سو۔ باہر نکلنے پر سخت پابندی تھی، بلکہ گیٹ کے قریب جانے کی بھی اجازت نہ تھی۔ گیٹ کے پاس ایک ڈنڈا بردار شخص بیٹھا ہوتا تھا۔ باہر نکلنے کی فقط یہ صورت تھی کہ طالب علم کسی کونے کھدرے سے تھوڑا سا کوڑا جمع کرتا، اسے باٹے میں ڈالتا، سر پر رکھتا اور اسے پھینکنے کے بہانے باہر جاتا، اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔ سبق یاد نہ ہوسکنے یا منزل میں غلطیاں آنے پر زبردست پٹائی ہوتی تھی۔ ایک دو تھپڑ نہیں، ڈنڈے یا موٹی کیبل سے ان گنت اور بے تحاشا۔ ایسے معاملات پر بھی مار پڑتی جو انسان کے بس میں ہی نہیں ہے، مثلاً گیارہ بجے سے ظہر کی آذان تک سونے کا وقفہ ہوتا تھا، دس منٹ میں سونا ضروری تھا، اس کے بعد جو جاگتا پایا گیا، ظہر تک مرغا بن کر پڑھنے کی سزا ہوتی تھی۔

اس سختی اور تشدد سے کئی طالب علم بھاگ جاتے تھے، واپس لائے جاتے تو ان کے پاوں میں زنجیر ڈال دی جاتی تھی، جو دوسری طرف پندرہ بیس کلوگرام کی لکڑی (مڈھی) سے بندھی ہوتی تھی۔ بعض تندومند طلبہ مڈھی لے کر بھی بھاگ جاتے تھے، اس کا حل یہ نکالا گیا کہ زنجیر کو کھڑیوں میں لگی موٹی سلاخوں سے باندھ دیا جاتا تھا، ہاتھ

روم اور نماز کے لیے لے جانے پر ہر "قیدی" کے ساتھ ایک طالب علم متعین کیا جاتا تھا۔

سرکاری سکولز کی کی صورتحال اس سے زیادہ گھمبیر ہے، اساتذہ مارتے بھی ہیں، اور گالیاں بھی دیتے ہیں۔ اگر استاذ کا گھر بھی پاس ہو تو گھر کے کام بھی کرواتے، اور نذرانے وصول کئے جاتے ہیں۔

استاذ کو چاہیے کہ اپنے ناپختہ اذہان بچوں کو پیار، محبت اور ترغیب سے پڑھائے۔ استاذ کی ذات اور بچوں کے ساتھ اس کے تعلق میں ایسی کشش ہونی چاہیے کہ طلبہ اس کی طرف کھینچے چلے آئیں، اس کی بات سننا اپنے لیے باعث عزت اور اس کی بات ماننا باعث فخر سمجھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إنما أنا لكم مثل الوالد لولده، أعلمكم»[1]

"میں تمہارے لیے ایسے ہوں جیسا کہ باپ اپنے بچے کے لیے ہوتا ہے، میں تمھیں سیکھاتا ہوں۔"

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت یہ تھی کہ جب سے فارغ وقت ملتا مجلس رسول میں حاضر ہو جاتے۔

جو استاذ چھڑی کے بغیر اپنی بات منوانے سے قاصر ہو، اور اخلاقی برائیوں کو حسن اخلاق کے ذریعے رفع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا، وہ اس محترم و معزز مسند کے قابل نہیں ہے، اسے کوئی دوسرا دھندا اختیار کر لینا چاہیے۔

مدارس کے ذمہ داران کو چاہیے کہ استاذ کا تقرر کرتے ہوئے محض اسناد نہیں، اس کی شخصیت، کردار، رویہ دیکھنا چاہیے، اور یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ وہ بچوں کی نفسیات کو کس حد تک جانتا اور اس سے کام لے سکتا ہے۔

آج کل دینی یا عصری مدارس کے اساتذہ میں سے پچانوے پرسنٹ ان خوبیوں سے تہی دامن ہیں۔ اسی لیے وہ ہر معاملے کا حل ڈنڈا سمجھتے ہیں۔

قرآن و سنت میں طلبہ کو سزا دینے کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ ترغیب اور محبت سے تعلیم دینے کے واقعات ملتے ہیں۔ البتہ دوسرے معاملات میں تادیباً مارنے سے متعلق ہدایات موجود ہیں، جیسے نافرمان بیوی، جو تمام تر کوششوں کے باوجود اپنی اصلاح کرنے پر تیار نہ ہو۔

1 سنن ابن ماجه: رقم الحديث: 313

یعنی نافرمان بیوی کو تمام تر کوششوں سے سمجھانے کے بعد بھی اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی، تب اسے مارنے کی اجازت دی گئی ہے۔ بعض علماء وقف کے ہاں وضربوھن پر وقف درست نہیں ہے، بلکہ اس کلمہ کو اگلے جملہ سے ملا کر پڑھنا ضروری ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تادیباً سزا دینا بھی، جو تیسرا مرحلہ ہے، اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ اگر عورت میں اطاعت کا ادنی درجہ بھی موجود ہے تو پھر کسی صورت میں مارنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی اولاد کو نماز نہ پڑھنے پر مارنے کا حکم دیا۔[1]

اس سے بعض علما کرام نے بامر مجبوری طلبہ کو مارنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ یہ جرائم پر سزا کے طور پر مارنے کی بات ہے، بلا جرم یا ایسے کوتاہی پر مارنا قطعا درست نہیں جو انسان کے بس میں نہیں، مثلا سبق یاد نہ ہونے پر یا منزل میں غلطی آنے پر پیٹائی کرنا۔

اگر استاذ کو کبھی مارنے کی ضرورت پڑ جائے تو اسے جرم و سزا کے اسلامی اصولوں کا علم ہونا چاہئے۔

جرم کیا ہے؟

جرم کی تعریف یہ ہے:

"السلوك المخالف الأوامر و نواهي."[2]

”جو کام کرنے کا حکم دیا گیا ہو، یا جس سے منع کیا گیا ہے، اس کی مخالفت کرنا۔“

دوسرے لفظوں میں اپنے فرض میں کوتاہی یا دوسرے کے حقوق میں دست درازی کرنا جرم ہے۔

شرائط جرم

کسی کام کو اس وقت تک جرم قرار نہیں دیا جا سکتا، جب تک اس میں مندرجہ ذیل شرائط نہ پائی جائیں:

1. کسی کام کو جرم قرار دینے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ کام عمدا اور سوچ سمجھ کر کیا گیا ہو۔

اگر کوئی کام بھول چوک اور غیر ارادی طور پر صادر ہوا ہے تو اسے معاف کرنا اور نصیحت کرنی چاہئے۔

1 سنن أبو داود :495، الأروا الغليل : 247

2 الجريمة والعقوبة: 159

2. یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جس کام کو آپ جرم سمجھ رہے ہیں، کیا طالب علم اپنے معصوم ذہن سے اسے جرم سمجھتا ہے یا نہیں؟ ممکن ہے وہ اس کام کو جرم ہی نہیں سمجھتا۔ ایسی صورت میں اسے سزا دینے کی بجائے اس کے سامنے جرم کا تصور واضح کرنا چاہیے۔

3. جو کام انسان کے بس میں نہ ہو، وہ جرم شمار ہو گا، نہ اس پر سزا دی جاسکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا﴾[1]

"سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو اور سنو اور حکم مانو اور خرچ کرو۔"

اگر کسی کوتاہی میں مذکورہ بالا شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو وہ قابل سزا جرم نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر بچہ ذہنی طور پر کمزور ہے، اسے سبق جلدی یا زیادہ یاد نہیں ہوتا، تو اسے سزا نہیں دی جاسکتی۔ طالب علم کو صرف اس صورت میں سزا دی جاسکتی ہے، جب وہ ذہین ہے، مگر محنت نہیں کرتا۔

جرائم کے دو درجات ہیں، حدود (جو جرم اور سزا متعین ہے)، تعزیرات (جرم تو شرعاً یا عرفاً متعین، مگر شریعت نے اس کی سزا مقرر نہیں کی)۔

والدین اپنی اولاد کو اور استاذ اپنے طلبہ کو جو سزا دیتا ہے، وہ تعزیرات کے ضمن میں آتی ہے۔ علما کرام نے تعزیر کے دو معانی بیان کئے ہیں، اعانت اور مدد کرنا، دوسرا ادب سکھانا۔ اور سزا دینے کے یہی مقاصد ہیں: ایک، مجرم کو دوبارہ اس جرم کے ارتکاب سے روکنا، اور آدمی کی اصلاح کرنا اور اسے ادب سکھانا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْمَظْلُوْمًا. قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ هٰذَا نَنْصُرُهُ مَظْلُوْمًا فَكَيْفَ نَنْصُرُهُ ظَالِمًا قَالَ تَأْخُذُ فَوْقَ يَدَيْهِ»[2]

"اپنے بھائی کی مدد کرو، وہ ظالم ہو یا مظلوم، لوگوں نے کہا: اے رسول اللہ! جب وہ مظلوم ہوتا ہے، تو ہم اس کی مدد کرتے ہیں، ظالم کی مدد کیسے کریں، فرمایا: اس کا ہاتھ پکڑ کر (اسے ظلم سے روک دو)۔"

---

1 التغابن: 16

2 صحيح بخاری: رقم الحديث: 2444

سزا دینے کے اصول

اگر کسی طالب علم سے مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ جرم صادر ہو جائے تو استاذ اسے سزا دے سکتا ہے، لیکن سزا دینے سے پہلے اسے مندرجہ ذیل اصول ذہن میں رکھنے چاہئیں۔ اللہ تعالی نے عورت کی نافرمانی پر اصلاح کا ایک پروگرام دیا ہے:

﴿وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا﴾[1]

”اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی سے تم ڈرتے ہو، سو انھیں نصیحت کرو اور بستروں میں ان سے الگ ہو جاؤ اور انھیں مارو، پھر اگر وہ تمھاری فرماں بر داری کریں تو ان پر (زیادتی کا) کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔“

سزا دینا اصل مقصد نہیں ہے، بلکہ اصل مقصد ارتکابِ جرم کو روکنا اور آدمی کی اصلاح ہے، لہذا سب سے پہلے وعظ و نصیحت سے اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

سزا کا مطلب صرف مار نہیں ہوتا، اس سے علاوہ بھی کئی طریقوں سے سزا دی جا سکتی ہے، مثلاً

1. اس سے بات چیت کرنا بند کر دیں، مزید ضرورت ہو تو طلبہ کو اس سے قطع تعلقی کا حکم دے دیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کے ایک ناپسندیدہ مطالبے پر ان سے ایک ماہ تک قطع تعلقی فرمائی تھی، اسی طرح جنگ تبوک سے بلاوجہ پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قطع تعلقی اختیار کرنے کا تمام صحابہ کرام کو حکم دیا گیا تھا۔ اور یہ ان کے لیے زبردست نفسیاتی سزا تھی۔
2. سزا کے طور پر کوئی خدمت اس کے سپرد کرنا، صفائی وغیرہ۔
3. ایسا کام اس سے کرائیں جس میں وہ اپنی بے عزتی محسوس کرے، جیسے طلبہ کے سامنے کھڑا کرنا، مرغا بنانا، اور باتھ رومز کی صفائی وغیرہ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نصر بن حجاج کو عورتوں کے متعلق شعر کہنے پر اس کا سر مونڈ دیا اور مدینہ سے نکال دیا تھا۔[2]

---

1 النساء:43

2 احكام الجريمة والعقوبة : 557

4. معمولی مالی جرمانہ، جسے وہ اپنے خرچہ میں سے نکالے، نہ کہ والدین سے حاصل کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض گورنرز کو مالی جرمانہ کیا، اور یہ پیسہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

5. طالب علم کے جرم سے اس کے والدین کو آگاہ کریں۔

پٹائی کرنے کے اصول

1. ہمدردی اور اصلاح کی نیت سے ہو، اگر ذاتی انتقام لینا ہے یا دوسرا کوئی مقصد ہے تو یہ گناہ اور ظلم ہے۔

2. بالکل چھوٹے بچے کو نہ مارا جائے، کیونکہ اسے کچھ سمجھ نہیں ہوتی، جیسا کہ سات سال کے بچے کو ترغیب سے نماز پڑھانے کا حکم دیا، دس سال کے بعد نماز نہ پڑھنے پر مارنے کا حکم دیا۔ لہٰذا دس سال سے چھوٹے بچے کو نہ مارا جائے۔

3. جب طالب علم جرم کرے تب مارا جائے۔ نہ جرم سے پہلے اور نہ بہت دیر بعد، تاکہ طالب علم کو پتہ ہو کہ مجھے اس جرم پر مارا گیا ہے۔ کئی اساتذہ دیکھے گئے ہیں جو جرم پر بچے کو نہیں مارتے، کیونکہ وہ کوئی بڑا جرم نہیں ہوتا، بعد میں کوئی بہانا بنا کر خوب اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں۔ یہ سراسر ظلم ہے، اور اس سے ہرگز اصلاح نہیں ہوتی۔

4. جرم کے حساب سے مارا جائے، اس سے زیادہ نہیں، ورنہ یہ ظلم شمار ہوگا۔

5. بچے کی برداشت کے مطابق مارا جائے۔

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[1]

"اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔"

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک زانی لایا گیا، بیمار اور نہایت کمزور۔ شرعی سزا کے حساب سے اسے سو(100) کوڑے مارے جاتے تو شائد وہ مر جاتا، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے سو تنکوں کا گھٹا لے کر ایک دفعہ اسے مار دیا۔[2] یعنی ہر تنکے کو ایک کوڑے کے قائم مقام قرار دے دیا۔ کیونکہ اسلام میں کوڑے کا کوئی خاص تصور نہیں ہے۔

---

1 البقرة: 286

2 سنن أبي داؤد: رقم الحديث: 4472

لیکن ہم نے قراء کو موٹے ڈنڈوں، بلکہ بجلی کے کیبل سے مارتے دیکھا ہے۔ اللہ کی قسم اسلام کی رو سے یہ حرام ہے۔

6. بچہ بھی نفسیاتی طور پر چاہتا ہے کہ اس کی عزت ہو۔ اس لیے چہرے پر نہ مارا جائے، اور اسے برا بھلا یا گالی گلوچ نہ کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ»[1]

7. اتنا نہ مارا جائے کہ زخمی ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ. فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ»[2]

"اور تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ تمہارے بچھونے (یعنی تمہارے گھر میں) کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کا آنا تمہیں ناگوار ہو۔ پس اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسا مارو کہ ان کو سخت چوٹ نہ لگے۔"

'غیر مبرح' کا معنی بعض علماء نے یہ کیا ہے کہ ایسی مار، جس سے تکلیف ہو، مگر نہ ہڈی ٹوٹے، کوئی عضو ضائع نہ ہو اور نہ خون بہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جسم پر نشان نہ پڑے۔ اسی بنیاد پر فقہاء کرام نے کھلے ہاتھ سے مارنے کی اجازت دی ہے، لاٹھی استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔ فقہ کی مشہور کتاب الدر المختار میں ہے:

"وإن وجب ضرب ابن عشر عليها بيد لا بخشب."[3]

"باپ پر واجب ہے کہ وہ دس برس کے بچے کو نماز میں سستی کرنے پر ہاتھ سے مارے، چھڑی سے نہیں۔"

8. جتنا بھی بڑا جرم بھی ہو بہت زیادہ سزا نہیں دینی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا:

«لا عقوبة فوق عشر ضربات إلا في حد من حدود الله تعالى»[4]

---

1 سنن أبوداؤد :رقم الحديث: 2142

2 مسلم، كِتَابُ الْحَجِّ ، بَابُ حَجَّةِ النَّبِيِّ ﷺ:رقم الحديث: 1218

3 حاشيه الشامى على الدر المختار : 5: 2

4 بخارى:رقم الحديث: 6849

"دس ضربوں سے زیادہ سزا نہیں دی جاسکتی، سوائے اللہ کی حدود میں سے کوئی جرم ہو۔"

9. بچے کو صرف اس وقت مارنا چاہیے جب وہ بڑی غلطی کرے۔ بات بات پر سزا دینا، اور ہر وقت کٹہرے میں اسے کھڑا رکھنا درست نہیں ہے، اس سے طالب علم ڈھیٹ یا باغی بن جاتا ہے۔ افسوس! جس قدر بچے مدارس میں داخل ہوتے ہیں، ان میں سے اکثریت ایسی ہی وجوہات سے ہمیشہ کے لیے مدارس اور اساتذہ سے متنفر اور باغی ہو جاتے ہیں۔

10. سزا کے ساتھ ساتھ بچوں کو کی گئی حرکت کے نقصانات سے بھی آگاہ کیا جائے۔ تاکہ وہ محض خوف سے نہیں شعوری طور پر جرم سے دور رہے۔

11. اگر جرم ملکی قانون کے دائرے میں آتا ہے، تو اسے خود سزا نہ دیں، اسے حوالہ پولیس کر دیں۔

12. اگر جرم طالب علم کی عادت بن چکا ہے، تمام تر کوششوں کے باوجود اصلاح نہیں ہو رہی، اور اس کے سبب ادارے کا ماحول خراب ہو رہا ہے تو اسے خارج کر دیں۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے آخری درجہ میں عورت کو طلاق دے کر فارغ کرنے کا ذکر کیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے مخنثین کو مدینہ سے باہر نکال دیا تھا۔

طلبہ کی پٹائی کرنے کے نقصانات

مشہور ماہرِ تعلیم و عمرانیات علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

"تعلیم و تربیت میں مار پیٹ طالبعلموں، بالخصوص چھوٹی عمر کے بچوں کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے، ایسا کرنا معلم اور استاد کی نااہلی شمار ہو گا۔ وہ طالبعلم، غلام اور نوکر جو سختی و مار پیٹ کا عادی ہو جائے، وہ سخت مزاج ہو جاتا ہے، طبیعت سے کچھ کر گزرنے کا جذبہ رخصت ہو کر، سستی و کاہلی اس کی جگہ لے لیتی ہے، ڈر اور خوف کی بنا پر جھوٹ بولنا، خلاف حقیقت بات کرنا، مکر و فریب کرنا جیسے رذائل اس کے ہاں ایک مہارت اور چالاکی شمار ہوتے ہیں، یوں انسان سراپائے شر بن جاتا ہے، معاشرے میں کوئی مفید کام کرنے کی بجائے، اس کی ساری کی ساری توجہ خود کے دفاع پر مرکوز ہو جاتی ہے، اور پوری کوشش ہوتی ہے کہ ساری دنیا اس کی خدمتگار بن جائے، اور وہ خود کچھ بھی نہ کرے۔ لہذا استاد یا والد کو اپنے بیٹے یا شاگرد کو سزا دیتے ہوئے انتہائی احتیاط کرنی چاہیے، اور کبھی مارنا پڑ جائے تو تین چھڑیوں سے تجاوز نہ کریں۔"[1]

---

1 مقدمہ ابن خلدون: 1: 744

آخر پر میں اپنے استاذ محترم کا تجربہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں، جو انھوں نے ہمارے سامنے اعتراف کے طور پر پیش کیا تھا۔ قاری صاحب نے کئی سال بعد ایک دفعہ اپنے تمام سابقہ طلبہ کا ایک اجلاس بلایا۔ اس میں وعظ ونصیحت کرتے ہوئے سب کے سامنے اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

”میں نے دوران تعلیم طلبہ کو بہت مارا اور سختیاں کی ہیں، لیکن آج میں دیکھ رہا ہوں، کہ جن طلبہ کو ہم مار کر اور زنجیروں میں جکڑ کر پڑھاتے رہے ہیں، ان میں ایک بھی کامیاب نہیں ہوا۔ صرف وہی کامیاب ہوئے ہیں جو اپنے شوق سے پڑھتے رہے ہیں۔“

اساتذہ کو یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ جس طرح بچوں کو تعلیم دینا اور قرآن پڑھنا ایک بلند مرتبہ، مقدس ذمہ داری، اور عظیم اجر و ثواب کا کام ہے، اسی طرح اگر کوئی ایک طالب علم آپ کے رویہ سے تعلیم سے باغی ہوگیا، تو اس کی ذمہ داری بھی استاذ پر ہوگی۔

مدرسہ کی انتظامیہ کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے معاملات پر نظر رکھیں۔ مولانا خالد بشیر مرجالوی حفظہ اللہ کے متعلق سنا ہے کہ انھوں نے اپنے ادارے میں یہ قانون نافذ کررکھا ہے کہ اگر استاذ نے حد نبوی (دس ڈنڈوں) سے زیادہ ایک بھی مارا، اسی دن استاذ کی چھٹی ہو جائے گی۔

مدارس و مساجد کے اساتذہ کے لیے ایسا کورس ہونا چاہیئے، جس میں بچے کی نفسیات اور انھیں کنٹرول کرنے اور سبق یاد کرانے کے طریقے ہوں۔ اس کورس کے بغیر کسی شخص کو استاذ کے منصب پر بیٹھنے کی اجازت نہ دی جائے۔